اصلی اور نقلی شیر کی جنگ

کینتھ اینڈرسن

یہ داستان جو مجھے نیل گری کے ایک گاؤں میں مقیم اپنے دوست سنجیو نے سنائی اس قدر حیرت انگیز ہے کہ آپ اس پر یقین نہیں کریں گے، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ بعض حقائق اپنے اندر افسانے کی سی رعنائی رکھتے ہیں۔ میں اُن دنوں ہندوستان میں تھا اور جس گاؤں کا ذکر کرنے لگا ہوں، اس کے قریب ہی مقیم تھا۔ نیل گری کی پہاڑیوں کے دامن میں یہ گاؤں آباد ہے۔ اس کے چاروں طرف کیلوں کے پیڑ پھیلے ہوئے ہیں۔ ان باغات کی وجہ سے یہ گاؤں دور دور تک مشہور ہے اور شائقین یہاں اڈے چلے آتے ہیں۔

گاؤں سے دس میل دور دیوا کی جھونپڑی تھی۔ وہ کیلے اُگاتا اور انہیں شہر میں بیچ کر اپنی گزر بسر کرتا تھا۔ یہی اس کی ساری کائنات تھی۔ ایک روز شام ڈھلے دیوا کیلے کے ایک نئے درخت کی جڑوں میں پانی دے رہا تھا کہ ایک سادھو نے خاص انداز میں صدا دی اور جھونپڑی میں دو راتیں بسر کرنے کی اجازت مانگی۔ دیوا خوش عقیدہ ہندو تھا، اس نے سوچا سادھو کی آمد سے ممکن ہے کیلوں کی فصل زیادہ اچھی ہو، وہ اسے اپنی جھونپڑی میں لے آیا۔ کیلوں اور تازہ مکھن سے اس کی تواضع کی۔ جب اس نے سادھو سے سنا کہ وہ گاؤں گاؤں لوگوں کو آشیر باد دینے کے لیے پیدل چل رہا ہے، تو وہ فرطِ عقیدت سے جھوم اُٹھا۔ اس نے سادھو کے پاؤں دباتے ہوئے کہا: ''سوامی جی! آپ میرے پاس دو ہفتے ٹھیریں اور خدمت کا موقع دیں۔ یہ باغ پھل کم دینے لگا ہے، آپ کی دیا سے یہاں بہار آجائے گی۔''

سادھو نے اتنے میٹھے اور لذیذ کیلے پہلی بار کھائے تھے اور تازہ مکھن نے تو سونے پر سہاگے کا کام کیا تھا،

لہٰذا اس نے دیوا کی دعوت قبول کر لی۔

دو ہفتے کے بجائے دو مہینے بیت گئے۔ سادھو وہیں جم گیا۔ اُسے تازہ کیلوں اور تازہ مکھن کی چاٹ ایسی لگی تھی کہ نگر نگر گھومنا بھول گیا۔ دیوا نے جب دبے لفظوں میں سادھو کو اس کا مشن یعنی گاؤں گاؤں جا کر لوگوں کو آشیر باد دینا یاد دلایا تو اس نے غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا:

''میری ذرا سی بددعا تمہارے باغ کو بھسم کر ڈالے گی۔''

دیوا کانپ اٹھا اور اس کے قدموں میں جھک گیا۔ سادھو نے تحکمانہ لہجے میں حکم دیا: ''اپنے باغ کے کنارے میرے لیے ایک الگ جھونپڑی بنا دو، آج سے میں وہیں رہوں گا۔ مجھے ہر روز کیلے اور مکھن پہنچا دیا کرنا۔'' دیوا نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

سادھو شام کا کھانا کھانے کے بعد بانسوں اور گھاس پھوس کی بنی ہوئی جھونپڑی میں چلا جاتا اور پھر بالکل باہر نہ آتا۔ اندر دیے کی لو ٹمٹماتی رہتی اور بعض اوقات ساری رات جلتی رہتی۔ کیلے کے باغوں میں کام کرنے والے مزدور حیران تھے کہ دیا رات بھر کیوں جلتا ہے اور سادھو اس دیے کی روشنی میں کیا کرتا ہے؟ ایک رات ایک مزدور چپکے سے جھونپڑی کے قریب گیا اور اس نے بانسوں کی ریخوں سے جھانک کر دیکھا تو سادھو کو غیر موجود پایا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ بستر بچھا ہوا تھا، لیکن سادھو غائب تھا۔ مزدور نے ساتھیوں کو سارا واقعہ سنایا۔ وہ سب تاک میں بیٹھ گئے کہ دیکھیں سادھو کب آتا ہے۔ ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ شیر کی دھاڑ سے پورا جنگل گونج اٹھا۔ مزدور خوف و دہشت کے مارے وہیں دبک گئے۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد شیر پھر گرجا۔ اب کی بار یہ آواز سادھو کی جھونپڑی کے بالکل قریب سے آ رہی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ شیر کیلوں کے باغ کے نزدیک گرج رہا تھا۔ پندرہ بیس میل اُدھر کئی درندے جنگل میں گھوما کرتے تھے، لیکن اِس طرف کبھی کوئی شیر وغیرہ نہیں آیا تھا۔ مزدور دم سادھے آہستہ آہستہ اپنی اپنی جھونپڑیوں میں چلے گئے۔ صبح ہوتے ہی وہ سیدھے سادھو کی جھونپڑی میں گئے۔

شیر کے پاؤں کے نشانات جھونپڑی سے دور جنگل تک چلے گئے تھے، لیکن سادھو اپنی جھونپڑی میں مزے سے کیلے اور مکھن کھا رہا تھا۔

ان دنوں وہاں بڑی تعداد میں مزدور کام کر رہے تھے۔ جنگل صاف کر کے نئے درخت لگائے جا رہے تھے۔ اس جنگل میں شیر کی آمد نے مزدوروں اور مالکان کو خوف زدہ کر دیا۔ وہ رات کو باڑوں کے گرد بڑے بڑے الاؤ روشن کرتے اور دن کو بھی بہت محتاط ہو کر چلتے پھرتے۔ شیر ہر رات سادھو کی جھونپڑی کے قریب سے گرجتا اور دھاڑتا ہوا جنگل میں گم ہو جاتا، لیکن اُس نے اب تک کسی کو گزند نہیں پہنچائی تھی۔

ایک ہفتہ یونہی گزر گیا۔ شیر ہر رات دھاڑتا اور پھر دور جنگل میں گم ہو جاتا۔ اب تک اسے کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس سے لوگوں کا خوف کچھ کم ہوا، بہر حال انہوں نے مویشیوں کے باڑوں کے گرد موٹی لکڑی اور اینٹوں کی دس دس فٹ اونچی دیوار کھڑی کر لی اور راتوں کو اطمینان سے سونے لگے۔ ایک روز علی الصباح گاؤں کا بوڑھا گڈریا جالو چیختا ہوا آیا۔ رات کو شیر اس کی خوبصورت گائے اٹھا کر لے گیا تھا۔ اس کے باڑے کی دیوار ایک طرف سے کچھ کم اونچی تھی۔ شیر نے اسی جانب سے جست لگائی، گائے کو جبڑوں میں دبوچا اور اسی طرف سے واپس چلا گیا۔ گائے کے خون کے بڑے بڑے قطرے خاصی دور تک چلے گئے تھے۔ شیر نے جس جگہ گائے کا گوشت کھایا تھا، وہ سادھو کی جھونپڑی سے بمشکل ڈیڑھ دو سو گز دور ہو گی۔ پھر ہر رات ایک گائے غائب ہونے لگی۔ شیر کسی نہ کسی طرح اپنا شکار حاصل کر لیتا۔ کبھی خون پی کر مُردہ جسم وہیں چھوڑ جاتا اور کبھی جانور کو دور تک گھسیٹتے ہوئے لے جاتا۔ ان واقعات سے ہر طرف دہشت پھیل گئی۔ لوگ رات رات بھر جاگتے، الاؤ روشن کرتے، پہرہ دیتے، لیکن شیر خاموشی سے رات کی تاریکی میں کسی نہ کسی کی گائے، بھینس یا بکری کو اڑا لے جاتا۔

یہ عجیب بات تھی کہ یہ شیر نہ تو دن کو دھاڑتا اور نہ چاندنی رات میں کسی کو نظر آتا تھا۔ لوگوں کو ڈر تھا کہ اگر کسی انسان کا خون اس کے منہ کو لگ گیا تو معلوم نہیں کیا آفت آ جائے گی۔ ادھر لوگوں میں چہ میگوئیاں

ہونے لگیں کہ شیر سادھو کو کوئی نقصان کیوں نہیں پہنچاتا؟ کوئی کہتا کہ سادھو اپنی روحانی طاقت کے بل پر اس شیر کا دوست بن گیا ہے، اور کوئی کہتا کہ سادھو ہی رات کو شیر بن کر مویشیوں پر حملہ کرتا ہے۔ ان افواہوں نے ایک طرف تو لوگوں کے دلوں میں سادھو کا خوف پیدا کر دیا اور دوسری طرف وہ اسے پوجنے کی حد تک عقیدت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔

اتفاق کی بات ہے کہ انہی دنوں ایک جنگلی ہاتھی نے بھی تباہی مچانی شروع کر دی۔ وہ کیلے کے باغات اجاڑنے لگا۔ دن دیکھتا نہ رات، باغ میں گھس آتا اور کیلے کے پیڑ تہس نہس کرتا ہوا گزر جاتا۔ دیوا کا باغ بھی اس کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اس کے پاس ایک چھوٹی سی بندوق تھی جو ہاتھی کو ہلاک تو نہیں کر سکتی تھی، لیکن اسے ڈرانے کے لیے بہر حال استعمال کی جا سکتی تھی۔ ایک رات وہ ایک اونچے درخت پر جا بیٹھا، اس کا ارادہ ہاتھی پر فائر کرنے کا تھا۔ چاندنی رات میں وہ درخت پر بیٹھا بیٹھا تھک گیا۔ اچانک اس نے شیر کے دھاڑنے کی آواز سنی تو سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس نے غور سے دیکھا، سادھو کی جھونپڑی کے قریب شیر کی آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔

یہ پہلا موقع تھا کہ کسی انسان نے اس شیر کو دیکھا۔ دیوا کے دل میں خیال آیا کہ وہ کیوں نہ بندوق چلا دے، ممکن ہے شیر زخمی ہو کر ہمیشہ کے لیے اپاہج ہو جائے۔ اسے یقین تھا کہ اگر نشانہ خطا گیا تو بھی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ وہ بلند مقام پر بیٹھا تھا۔ یہ خیال آتے ہی اس نے لبلبی پر انگلی رکھ دی، نشانہ لیا اور بندوق چلا دی۔ بندوق کی آواز کے ساتھ ہی شیر قیامت خیز انداز میں گرجتا ہوا جنگل میں غائب ہو گیا۔ اگلے روز دیوا کا نوجوان بیٹا جب کیلے اور مکھن لے کر سادھو کی جھونپڑی میں گیا تو خلافِ معمول دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے آواز دی، تو اندر سے جواب آیا ''میں بیمار ہوں، اس لیے کچھ کھاؤں پیوں گا نہیں۔'' اس دوران لڑکے کی نظر اچانک جھونپڑی کی دہلیز پر پڑی۔ خون کے بہت سے قطرے زمین میں جذب ہو کر سیاہی مائل ہو گئے تھے۔ دروازے پر بھی خون کے نشانات تھے۔ لڑکے

نے خیال کیا کہ شاید سادھو زخمی ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے باہر سے ہی آواز دی: ''سوامی جی، کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتایئے۔''

سادھو زور سے چیخا: ''یہاں سے فوراً دفعہ ہو جاؤ، مجھے تمہاری کسی چیز کی ضرورت نہیں۔''

لڑکے نے جب دیوا کو یہ واقعہ سنایا تو ایک لمحے کے لیے وہ بھی سکتے میں آ گیا۔ اس کے دماغ میں وہ تمام افواہیں گردش کرنے لگیں جو سادھو کے بارے میں مشہور تھیں۔ رات اس نے شیر پر جو بندوق چلائی تھی کہیں اسی سے سادھو زخمی تو نہیں ہو گیا! شاید سادھو اس وقت شیر کے روپ میں تھا۔ وہ چپکے سے اٹھا اور سادھو کی جھونپڑی کی جانب چل دیا۔ جھونپڑی اب بھی بند تھی۔ دروازے اور دہلیز پر خون کے چھینٹے بدستور موجود تھے۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا اور زمین پر لیٹ کر ریخوں میں سے اندر جھانکنے لگا۔ اچانک اسے اپنے سر پر شیر کے غرانے کی آواز سنائی دی۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ سادھو غصے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ اور بازو کا بالائی حصہ کپڑے سے بندھا ہوا تھا۔ خون سرایت کر جانے کی وجہ سے کپڑا سرخ اور سخت ہو گیا تھا۔ دیوا نے سادھو کو دیکھتے ہی کہا: ''میرے لڑکے نے بتایا تھا کہ آپ بیمار ہیں۔ میں اس لیے آیا تھا کہ آپ کی کچھ خدمت کر سکوں۔''

''لیکن تم اندر کیوں جھانک رہے تھے؟'' سادھو نے غصے سے پوچھا۔

دیوا کے ہونٹ کپکپانے لگے اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا، سادھو غصے سے چلایا: ''اس سے پہلے کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آئے، تم یہاں سے دفعہ ہو جاؤ۔''

دیوا خوف اور دہشت سے اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے ذہن میں سادھو کی پراسرار حیثیت کے متعلق توہمات اور شکوک کا ہجوم امنڈ آیا، تاہم اس کا لڑکا روزانہ علی الصباح کیلے اور مکھن سادھو کی جھونپڑی کے دروازے پر رکھ آتا اور اس کے واپس چلے جانے کے بعد سادھو یہ چیزیں اٹھا لیتا۔ ایک ہفتہ یونہی گزر گیا، شیر نے کوئی شکار نہیں کیا۔ لوگ سمجھے شیر کسی اور جنگل میں چلا گیا، لیکن دیوا کو یقین تھا کہ

چونکہ اس کی بندوق سے سادھو زخمی ہو چکا ہے، اس لیے وہ شیر کا روپ نہیں دھار رہا، تاہم اس نے اپنا یہ خیال کسی پر ظاہر نہیں کیا۔

ابھی اس واقعے کو بمشکل ایک ہی ہفتہ گزرا تھا کہ گاؤں والوں پر ایک نئی قیامت نازل ہوگئی۔ یہ خوفناک واقعہ نیل گری کے اس گاؤں سے کوئی چار میل کے فاصلے پر پیش آیا۔ گاؤں کا ایک چرواہا مٹھو جنگل کے کنارے اپنی بکریاں چرا رہا تھا کہ اچانک جھاڑیوں سے ایک شیر نکل کر اس کے ریوڑ پر حملہ آور ہوگیا۔ یہ دیکھ کر چرواہا اپنی لاٹھی گھماتا اور شور مچاتا شیر کی طرف دوڑ پڑا۔ عام طور پر ایسی حرکت حملہ آور شیر کو بھگانے میں کامیاب رہتی ہے مگر بدنصیب مٹھو کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ شیر اتنی آسانی سے اپنا شکار چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ شیر کے تیور دیکھ کر مٹھو کو خطرے کا احساس ہوا اور وہ ایک قریبی درخت کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ مگر معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا، جنگل کا غضبناک بادشاہ اپنا شکار چھوڑ کر مکمل طور پر چرواہے کی جانب متوجہ ہو چکا تھا۔ اس سے قبل کہ مٹھو درخت تک پہنچ پاتا، شیر کا پنجہ اس کے داہنے شانے پر پڑا اور کمر تک کھال ادھیڑ گیا۔ خون میں لت پت بدقسمت مٹھو وہیں گر پڑا۔ اس بے چارے کی جان یوں بچی کہ شیر نے فقط اسے مار گرانے پر ہی اکتفا کیا اور دوبارہ اس بکری کی جانب متوجہ ہوگیا جسے اس نے تھوڑی دیر قبل ہلاک کیا تھا۔

جب مٹھو کے ہوش وحواس کسی قدر بحال ہوئے تو اس نے کچھ ہی دور ہڈیاں چٹخنے کی آواز سنی۔ غور کیا تو شیر کو مُردہ بکری کا گوشت چٹ کرتے پایا۔ وہ اس قدر سراسیمہ ہوا کہ سانس روکے وہیں پڑا رہا۔ اسے یقین تھا کہ اگر اس نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی تو اب کی بار شیر حملہ کر کے حقیقتاً اسے مار ڈالے گا۔ اپنا شکار چٹ کر جانے کے بعد شیر نے خون آلود پنجے چاٹے اور اپنے حلقوم سے طمانیت بھری غراہٹیں نکالتا جنگل میں غائب ہوگیا۔ مٹھو پر اس قدر خوف طاری تھا کہ وہ دیر تک اوندھے منہ وہیں لیٹا رہا۔ جب اسے یقین ہوگیا کہ خطرہ ٹل گیا ہے، تو اپنی لاٹھی سنبھال کر کسی نہ کسی طرح گرتا پڑتا اُٹھا اور گاؤں پہنچ گیا۔

راستے میں وہ کئی بار خاک میں گر کر لوٹ پوٹ ہوتا رہا۔ گاؤں والوں نے جب اس کی یہ ابتر حالت دیکھی اور شیر کی اس نئی واردات کا حال سنا تو ہر طرف خوف و ہراس کی فضا پیدا ہوگئی۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اگر شیر یا چیتے کے حملے سے کوئی فوری طور پر ہلاک نہ ہو تو بھی ان درندوں کے پنجوں میں پایا جانے والا ایک مخصوص زہر، شکار کے خون میں داخل ہو کر بعد ازاں ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جس شخص کو درندے نے حملہ کر کے زخمی کر دیا ہو اُس کے زخم اتنی آسانی سے مندمل نہیں ہوتے۔ مٹھو کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا اور اس کے زخم دو ہفتوں میں ہی خراب ہو کر اس کی موت کا باعث بن گئے۔

ٹھیک بیس روز بعد شیر نے اسی گاؤں کے ایک اور ریوڑ پر حملہ کر دیا۔ گایوں کے اس ریوڑ کا چرواہا شیر کی دہشت کے مارے اپنی جگہ بت بنا کھڑا رہ گیا۔ اتفاق سے شیر نے جس گائے پر حملہ کیا وہ خاصی جاندار اور غصیلی تھی، جونہی شیر اس کی پیٹھ پر سوار ہوا، گائے نے جھٹک کر اسے نہ صرف پرے پھینک دیا بلکہ پلٹ کر سینگ مارنے کی بھی کوشش کی۔ گائے کے جوابی حملے نے شیر کو کسی قدر بوکھلا کر رکھ دیا اور اس نے جھلّا کر پاس کھڑے چرواہے پر جست لگا دی۔ گایوں کا بوکھلایا ہوا ریوڑ جب زخمی گائے سمیت گاؤں میں داخل ہوا تو جیسے کہرام مچ گیا۔ چرواہے کے دوست، رشتہ دار لاٹھیوں اور بلموں سے لیس ہو کر اس کی تلاش میں نکلے مگر جائے وقوعہ پر خون کے سوا کچھ نہ ملا، البتہ چند روز بعد ایک اور چرواہے کو اس بدقسمت کی لاش کی باقیات جھاڑیوں میں پڑی ملیں۔

[.... دوسری قسط ....]

اب دیوا بے چارے نے گاؤں والوں کے سامنے سادھو کے متعلق اپنے شبہات کا اظہار شروع کر دیا اور شیر پر بندوق چلانے، سادھو کے زخمی ہونے اور اس کی برہمی کی داستان گاؤں والوں کو سنائی۔ یہ تمام واقعات منظر عام پر آنے سے لوگوں میں بے چینی پیدا ہوگئی۔ گاؤں والوں نے فیصلہ کیا کہ ایک وفد سادھو

سے جا کر ملے اور اس سے استدعا کی جائے کہ وہ یہ خونیں ڈراما بند کر دے۔ دیوا نے اس وفد کی قیادت کی۔ گاؤں کے دس سیانے سادھو کی جھونپڑی میں پہنچے تو وہ آنکھیں بند کیے مالا جپ رہا تھا۔ سب مؤدب ہو کر بیٹھ گئے۔ دس منٹ کے بعد سادھو نے آنکھیں کھولیں تو دیوا نے ہاتھ جوڑتے ہوئے عرض کی: ''سوامی جی! آپ جب سے اس گاؤں میں آئے ہیں، باغوں میں بہار آ گئی ہے، لیکن مویشی اور انسان اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرنے لگے ہیں۔ ہم آپ کے گیان کے معترف ہیں۔ جو شیر ہمارے مویشیوں اور انسانوں کو لقمہ بناتا ہے، وہ آپ کا مطیع ہے، وہ آپ کی جھونپڑی کے پاس سے دھاڑتا ہے، لیکن آپ کو کچھ نہیں کہتا۔ آپ اس سے کہیے کہ وہ یہاں سے چلا جائے، اور اگر آپ خود انسان کا جسم چھوڑ کر شیر کا روپ دھار لیتے ہیں تو ہماری درخواست ہے کہ ہمارے گاؤں پر رحم کیجیے۔ ہمارے مویشیوں اور انسانوں کو شکار نہ کیجیے۔ اگر آپ انسانوں کا شکار کیے بغیر نہیں رہ سکتے تو میں عرض کروں گا کہ نیل گری کی پہاڑیوں میں باواک اور کرمبا قبائل آباد ہیں، وہاں چلے جایئے۔ وہ وحشی ہیں اور ان کے نزدیک انسانی جانوں کی کوئی وقعت نہیں۔''

سادھو بالکل خاموش بیٹھا رہا۔ کبھی کبھار وہ آنکھ اٹھا کر دیوا کو دیکھ لیتا۔ وہ وفد کے دوسرے ارکان کو بھی اپنی سرخ سرخ آنکھیں دکھاتا رہا۔ دیوا اس استدعا کے بعد اپنی جگہ مؤدب ہو کر بیٹھ گیا۔ سادھو نے آنکھیں اٹھائیں اور مالا گھماتے ہوئے بولا: ''میں ایک شرط پر یہاں شکار کرنا بند کر سکتا ہوں۔''

سب کے دل تیز تیز دھڑکنے لگے، وہ مجسم سوال بنے ہوئے تھے۔ سادھو نے کہنا شروع کیا: ''مجھے ہر مہینے دو سو روپے ادا کیے جائیں۔ چاول، گھی، سبزیاں، کیلے اور مکھن روزانہ اسی جھونپڑی میں پہنچائے جائیں۔ اگر کبھی کبھار مجھے انسانی گوشت کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں قبائلیوں کو شکار کرنے چلا جایا کروں گا۔''

اور تمام شرطیں پوری کی جا سکتی تھیں، لیکن غریب دیہاتی دو سو روپے ماہوار کا انتظام نہیں کر سکتے تھے۔

دیوانے درخواست کی کہ رقم گھٹا کر پچاس روپے ماہوار کردی جائے، لیکن سادھو نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیا، لہٰذا وفد ناکام واپس آ گیا۔

اس واقعے کے چوتھے روز شیر نے دن دہاڑے ایک اور شخص کو ہلاک کرڈالا۔ وہ اس وقت اپنی جھونپڑی سے ایک فرلانگ دور اپنے باغ کی رکھوالی کررہا تھا۔ شیر نے اسے بھاگنے کا موقع بھی نہیں دیا، اسے دبوچا اور چیر پھاڑ دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص ان دس سیانوں میں سے ایک تھا جو وفد لے کر سادھو کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، اور اسی نے دوسو روپے ماہوار دینے کی سب سے زیادہ مخالفت کی تھی۔

مجھے یہ سارا قصہ میرے ذاتی خدمت گار اور دوست سنجیو نے سنایا جو اسی گاؤں کے ایک قبیلے اریلا کا فرد تھا۔ میں ان دنوں اس جنگل میں شکار کی غرض سے مقیم تھا۔ مجھے وہاں آئے بمشکل ایک ہفتہ ہی ہوا تھا۔ میں جب بھی وہاں آتا، سنجیو میرے قیام وطعام کا بندوبست کرتا۔ وہ اس علاقے کے چپے چپے سے واقف ہونے کے ناتے ایک اچھا گائیڈ تھا۔ میں جب بھی سیر وشکار کی غرض سے وہاں جاتا، میری پہلی ترجیح سنجیو ہی ہوتا۔ اب کی بار جب میں گاؤں میں پہنچا تو وہاں کے مکینوں کے چہروں پر ایک عجب طرح کا خوف مسلط نظر آیا۔ جب میرے استفسار پر کسی نے بھی کچھ نہ بتایا تو میں نے سنجیو سے پوچھا۔ پہلے پہل تو سنجیو نے بھی مجھے ٹالنے کی کوشش کی، مگر پھر میرے بار بار کے استفسار پر اس نے مجھے دیوا اور سادھو کا قصہ سنا ہی ڈالا۔ میں نے اپنی زندگی میں بیسیوں آدم خور درندوں کا کام تمام کیا تھا مگر ایسے پراسرار آدم خور سے آج تک میرا پالا نہ پڑا تھا۔ بہرحال مجھے یقین تھا کہ وہ سادھو ایک عام آدمی تھا جو سادہ لوح دیہاتیوں کو مرعوب کرنے کے لیے یہ سارا ناٹک رچائے ہوئے تھا۔ دوسری طرف آدم خوری کے واقعات بھی اپنی جگہ اٹل حقیقت تھے۔ میں جتنا اس معاملے پر غور کرتا، اتنا ہی میرا دماغ الجھتا چلا جاتا۔ بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ درحقیقت ان معصوم دیہاتیوں کا پالا دو مکار ہستیوں سے پڑ چکا تھا۔ ایک تو وہ

مکار سادھو جو اس علاقے میں موجود آدم خور شیر کی آڑ میں لوگوں کو بے وقوف بنا رہا تھا، اور دوسرا وہ شیر جو نامعلوم وجوہات کی بنا پر مویشی خوری چھوڑ کر آدم خوری کی لت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ یہ امر بھی بعید از قیاس نہ تھا کہ وہ آدم خور شیر اس مکار سادھو کا ہی سدھایا ہوا ہو اور وہ دونوں ہی اس شیطانی کھیل کے ذمے دار ہوں۔ حقیقت جو کچھ بھی تھی، میں نے اس معمے کو حل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

جب سنجیو مجھے یہ قصہ سنا رہا تھا، اس وقت ہم جنگل میں آم کے ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور اپنے نزدیک آگ کا ایک بڑا الاؤ روشن کر رکھا تھا۔ رات بھیگ رہی تھی، دور سے جنگلی ہاتھی کے بانسوں کو توڑنے کی آواز بلند ہوئی جس کے تھوڑی ہی دیر بعد جنگل شیر کی آواز سے گونج اٹھا۔ سنجیو خوف سے بری طرح کانپنے لگا۔ اس کی بھرائی ہوئی آواز میری سماعت مرتعش کر گئی: ''سادھو شیر نے میری باتیں سن لی ہیں، اب وہ مجھے نہیں چھوڑے گا، میں تباہ ہو گیا۔''

میں نے اس کی ہمت بندھانے کے لیے کہا: ''یہ تمہارا وہم ہے، شیر اتنی دور سے تمہاری باتیں نہیں سن سکتا، وہ مافوق الفطرت طاقت بھی نہیں رکھتا۔'' اس کے ساتھ ہی میں نے اپنی رائفل میں کارتوس بھرے اور ٹارچ سنبھال لی۔ ہمارے تین طرف آگ کا الاؤ روشن تھا اور خالی سمت کی حفاظت کے لیے ہمارے پاس رائفل موجود تھی۔ شیر ایک بار پھر گرجا۔ وہ ندی کے قریب ہی تھا۔ سنجیو مسلسل کہہ رہا تھا کہ اب ہماری خیر نہیں، سادھو شیر نے سب کچھ سن لیا ہے، ہم صبح تک زندہ نہیں رہیں گے۔ میں نے اس کی طرف غصے بھری نظروں سے دیکھا تو وہ چپ ہو گیا۔ اتنے میں جنگلی ہاتھی کے چنگھاڑنے کی آواز آئی۔ ہم دونوں سہم گئے۔ الاؤ کی روشنی میں کافی دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔ میں مصلحتاً ٹارچ روشن نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہاتھی کے چنگھاڑنے اور شیر کے غرانے کی آواز ایک بار پھر آئی۔ کچھ ہی دیر بعد ایسی آوازیں آئیں جیسے دو حیوان آپس میں گتھم گتھا ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ ہاتھی اور شیر کی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔ جنگل میں بہت کم شیر ہاتھی پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہاتھی عموماً گروہ کی شکل میں ہی گھومتے

ہیں۔اگر کبھی کسی شیر کا ہاتھیوں کے لشکر سے آمنا سامنا ہو بھی جائے تو وہ بے چارا کنی کترا کر نکل جانے میں ہی عافیت محسوس کرتا ہے۔ بہرحال اگر کبھی کسی اکیلے ہاتھی سے آمنا سامنا ہو جائے اور اس وقت جنگل کا بادشاہ بھوکا بھی ہو تو سمجھ لیجیے کہ ہاتھی کی موت ہی اسے تنہا اس طرف کھینچ لائی ہے۔

ابھی میرا ذہن انہی سوچوں میں گم تھا کہ شیر کی غصیلی غراہٹوں میں تیزی آ گئی، ساتھ ہی وقتاً فوقتاً ہاتھی کی درد میں ڈوبی آوازیں بھی سنائی دے جاتیں۔ ہاتھی اور شیر کی وہ جنگ اس وقت میری آنکھوں کے سامنے تو نہیں ہو رہی تھی، مگر جنگلوں میں گزارے ہوئے اپنے شب و روز کی بدولت میں بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ دونوں حیوان کیسے آپس میں گتھم گتھا ہوں گے۔اس وقت سنجیو کی حالت الگ غیر ہو رہی تھی۔ وہ بار بار مجھے کسی درخت پر چڑھنے کی تلقین کر رہا تھا۔اسے خدشہ تھا کہ اگر دونوں درندے لڑتے لڑتے اس طرف آ نکلے تو ہماری بھی شامت آ جائے گی۔ میں نے اسے حوصلہ دیا اور اپنی جگہ خاموش کھڑے رہنے کی ہدایت کی۔اس وقت میں اپنی سماعت سے بصارت کا کام لے رہا تھا۔وقفے وقفے سے ابھرنے والی آوازوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ لڑائی بس آخری دموں پر ہے۔پھر چند ہی لمحوں بعد ہاتھی کی درد بھری آوازیں اپنا وجود کھوتی چلی گئیں اور فضا میں فقط شیر کی تمانیت بھری غراہٹیں باقی رہ گئیں۔ ہاتھی یقیناً دم توڑ چکا تھا اور شیر اب اس کے بدن سے گوشت نوچ نوچ کر کھا رہا تھا۔کبھی کبھی کسی ہڈی کے ٹوٹنے کی آواز اُبھرتی تو سنجیو بے اختیار جھرجھری لے کر میرے اور قریب ہو جاتا۔

مجھے یقین تھا کہ اب شیر اس طرف نہیں آئے گا اور ہمیں اگر اسے شکار کرنا ہے تو اس کے پاس جانا ہوگا، لیکن ایسا میں اس لیے نہ کر سکتا تھا کہ مجھے اس وقت اس امر کا یقین نہ تھا کہ آیا یہ وہی شیر ہے جس نے علاقے بھر میں قیامت مچا رکھی ہے یا پھر کوئی عام شیر ہے۔ میں کسی عام درندے کو خواہ مخواہ شکار کرنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ رات ہم نے اُسی جگہ جاگ کر گزاری۔سنجیو کا برا حال تھا۔ہم نے اردگرد سے جمع کی ہوئی لکڑیاں

الاؤ میں ڈال دیں۔ میں چاہتا تھا کہ سنجیو باتیں کرتا رہے، کہیں ہم نیند سے اونگھنا شروع نہ کر دیں، لیکن اس کے ہوش وحواس گم تھے، وہ اب سادھو شیر کے متعلق ایک لفظ بھی منہ سے نکالنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ صبح ہوئی تو سب سے پہلے ہم نے مرے ہوئے ہاتھی کو دیکھا۔ وہ ابھی پوری طرح جوان نہیں ہوا تھا۔ معلوم نہیں کیسے اپنی ٹولی سے بچھڑ گیا۔

ناشتے کے بعد میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ میں اس سادھو سے ملوں جو عام روایت کے مطابق رات کو اور کبھی کبھی دن کو شیر بن جاتا ہے۔ جب میں نے سنجیو سے اس کا ذکر کیا تو اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ اس نے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا، لیکن جب میں نے اس کی حفاظت کا پورا یقین دلایا اور بہت بڑے انعام کا لالچ دیا تو وہ بادلِ نخواستہ تیار ہو گیا۔ اس وقت صبح کے نو بجے تھے۔ میں نے سادھو کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ سنجیو میرے پیچھے کھڑا ہوا خوف سے کانپ رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ انتہائی بدہیئت، آوارہ بالوں اور بے ترتیب الجھی ہوئی داڑھی والا سادھو غلیظ اور بدبودار کپڑوں میں ملبوس ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا، اور اس سے پہلے کہ میں کچھ کہنے کے لیے ہونٹ ہلاتا، سادھو کی آنکھیں انگارے برسانے لگیں۔ وہ گرجدار آواز میں بولا: ''میں جانتا تھا کہ تم یہاں ضرور آؤ گے اور یہ جو تمہارے پیچھے گیدڑ کی طرح کانپ رہا ہے، یہی تمہیں یہاں لایا ہے۔ میں نے رات تم دونوں کو ندی کے قریب دیکھا تھا۔ تم نے الاؤ روشن کر رکھا تھا۔ میں تم دونوں میں سے ایک کو ضرور چٹ کر جاتا، لیکن وہ ہاتھی کا بچہ مزاحم ہو گیا اور میں نے تمہارے بجائے اس پر حملہ کر دیا۔''

سنجیو گڑگڑا کر معافی مانگنے لگا، لیکن میں نے اسے ڈانٹ دیا۔ میں چاہتا تھا کہ اس مکار سادھو کو گولی کا نشانہ بنا دوں، لیکن اس طرح میں قانون کی زد میں آتا تھا۔ میں غصے سے کانپنے لگا۔ میں نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے سادھو سے کہا: ''تم جھوٹ بکتے ہو، تم انسان ہو اور کسی صورت شیر کا روپ اختیار نہیں کر سکتے۔ تم اِن اَن پڑھ، معصوم، بھولے بھالے اور توہم پرست دیہاتیوں کو بے وقوف بنا کر اپنا اُلّو

سیدھا کر سکتے ہو، لیکن مجھے کسی مغالطے میں نہیں ڈال سکتے۔'' سادھو نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا:
''سفید بابو، اتنا غصہ نہ ہو۔ تم اپنے کام سے کام رکھو، جن باتوں کو تم نہیں سمجھتے، ان میں کیوں دخل دیتے ہو! تم یہاں بے سہارا ہو، بہتر ہے تم لوٹ جاؤ، ورنہ یاد رکھو تمہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔''

یہ کہہ کر سادھو مڑا اور زور سے جھونپڑی کا دروازہ بند کر دیا۔ سنجیو نے جھونپڑی کے گرد ریت پر بعض نشانات کی طرف اشارہ کیا جو شیر کے پنجوں سے ملتے جلتے تھے اور دور تک چلے گئے تھے۔ سرِ شام ہم دوبارہ اسی آم کے درخت کے نیچے آ گئے جہاں ہم نے الاؤ کے گرد رات گزاری تھی۔ میں نے درخت پر مچان باندھی اور اسی پر بستر لگا کر سو گیا۔ سنجیو رات بھر جاگتا رہا تھا، وہ بھی مچان پر ایک طرف لیٹ گیا اور خراٹے لینے لگا۔ میں تین گھنٹے سویا ہوں گا، لیکن یقین کیجیے کہ مجھے نیند میں شیر دکھائی دیتا رہا جس کا سر سادھو سے ملتا جلتا تھا۔ دراصل میرے دل میں بھی ایک عجیب سا خوف پیدا ہو گیا تھا۔ سادھو نے ہمارے متعلق جو کچھ کہا تھا، وہ حرف بہ حرف ٹھیک تھا۔ آخر ہمارے متعلق اسے یہ سب کچھ کس نے بتایا تھا؟ سنجیو اس وقت سے اب تک میرے ساتھ تھا۔ اگر خود سادھو رات کی تاریکی میں ہماری نگرانی کر رہا تھا، تو یقیناً وہ ایک بہادر انسان تھا، کیونکہ شیر اور ہاتھیوں کی موجودگی میں تن تنہا گھومنا پھرنا معمولی بات نہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا مقابلہ ایک نہیں، دو سے ہے، آدم خور شیر اور مکار سادھو سے۔ شیر کو تو شکار کیا جا سکتا تھا، لیکن سادھو کے فریب کا پردہ چاک کرنا بڑا دشوار تھا۔ اس نے مجھے مار ڈالنے کی دھمکی بھی دی تھی۔ وہ انسان ہونے کی حیثیت سے سوچ سکتا تھا، منصوبے بنا سکتا تھا اور مجھے دھوکے فریب سے نقصان پہنچا سکتا تھا، اس لیے اُس سے نبٹنا سب سے مشکل تھا۔ سوچ سوچ کر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر شیر شکار ہو گیا تو سادھو کے فریب کا راز خود بخود کھل جائے گا، اس لیے پہلے شیر کا شکار کرنا ضروری ہے۔

میں نے سنجیو کو ساتھ لیا اور دو بچھڑے خریدنے کے لیے گاؤں میں آ گیا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب گاؤں کے ہر شخص نے کسی بھی قیمت پر بچھڑے فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ ہر شخص یہی کہتا تھا کہ

شیر کے روپ میں تم سادھو کو قتل کر دو گے، اور اگر سادھو اس روپ میں نشانہ بن گیا تو پورے گاؤں پر کوئی آسمانی آفت ٹوٹ پڑے گی۔ میں نے لاکھ سمجھایا کہ میں یہ سب کچھ تمہاری جانوں کی حفاظت کے لیے کر رہا ہوں اور انسان کبھی شیر کا قالب اختیار نہیں کر سکتا، لیکن کسی نے بھی میری بات پر کان نہیں دھرا اور بچھڑے فروخت کرنے سے سختی کے ساتھ انکار کر دیا۔

اب ایک ہی صورت تھی کہ میں اور سنجیو پورا دس میل دور کانڈا نامی گاؤں جائیں اور وہاں سے بچھڑے خرید کر لائیں، لیکن ہم اسی روز غروب آفتاب سے پہلے کسی طرح بھی نہیں لوٹ سکتے تھے، اس لیے ہم نے اپنا پروگرام اگلے روز پر ملتوی کر دیا اور پھر اسی آم کے درخت کے نیچے رات گزارنے کے لیے پہنچ گئے۔ یہ بھی ایک عجیب بات تھی کہ ہمیں گاؤں میں کوئی شخص اپنی جھونپڑی میں پناہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ہم نے ایک بار پھر الاؤ روشن کیا اور اپنے قریب اتنی لکڑیاں اور خشک پتّے جمع کر لیے کہ ساری رات آگ جلتی رہے۔ سنجیو کی خواہش تھی کہ ہم رات جاگ کر کاٹنے کے بجائے مچان پر سو کر گزاریں، لیکن مجھے شیر کی نسبت مکار سادھو سے زیادہ خطرہ تھا کہ اگر ہم سو گئے تو ممکن ہے وہ ہماری جان لے بیٹھے۔ اس رات سنجیو نے سادھو شیر کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا اور چپ چاپ بیٹھا رہا۔ جنگل میں ہر طرف سکوت طاری تھا، بس کبھی کبھار کوئی مینڈک ٹراتا یا درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندوں کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنائی دیتی۔ (جاری ہے...)

(بشکریہ: روزنامہ جسارت)

(Jasarat Magazine, November 11 & 18, 2012)

پیشکش: ابوزبیر

[www_alkalam_pk@yahoo.com]